© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

اشارات

دانشمند انسانوں کا قاعدہ ہے کہ سفر شروع کرنے سے پہلے منزلِ مقصود کا تعیّن کرتے ہیں، اور پھر اسی کے لحاظ سے سفر کا سر و سامان کیا کرتے ہیں۔ بلا تعیّن مقصد یونہی چل پڑنا کسی عقل مند کا کام نہیں ہو سکتا، اور تعیّن مقصد کے بعد ان ذرائع و وسائل کو بہم پہنچانے کی فکر نہ کرنا جو منزلِ مقصود تک پہنچانے کے لیے ضروری ہوں صرف نادان لوگوں ہی کا کام ہے۔

بالکل یہی معاملہ ان قوموں، جماعتوں اور افراد کا ہے جو کسی ولولے اور امنگ کے ساتھ اٹھیں اور آگے بڑھنے کی کوشش کریں۔ محض جوش و خروش، متحرک رہنے کی مجرّد خواہش اور آگے بڑھنے کا صرف ذوق بے معنی ہے اگر یہ نصب العین کے تعیّن کے بغیر ہو۔ کسی فرد یا جماعت کے لیے یہ طرزِ عمل کسی طرح بھی سُود مند نہیں ہو سکتا بلکہ اُلٹا ضرر رساں ہوتا ہے۔ کیونکہ اُس میں جس قدر زیادہ قوّتِ عمل ہو گی اور اس قوّت کو بروئے کار لانے کا جتنا زیادہ جذبہ ہو گا، منزلِ مقصود سامنے نہ ہونے کے باعث وہ فرد یا جماعت اسی نسبت سے فکر و عمل کے اعتبار سے زیادہ پریشان ہو گی اور اس کی قوتیں زیادہ تیزی سے ضائع ہوں گی۔ بے مقصد جد و جہد کبھی بھی نتیجہ خیز نہیں ہوتی اور نصب العین کے تعیّن کے بغیر تگ و دو بجز سراسیمگی اور پریشانی کے اور کوئی چیز اپنے جلو میں نہیں لاتی۔ جماعتوں اور قوموں کو جد و جہد شروع کرنے سے پہلے اس امر کا فیصلہ کرنا چاہیے کہ وہ اپنی تگ و دَو سے کیا مقاصد حاصل کرنا چاہتی ہیں۔ مقاصد کے تعیّن کے بعد ہی وہ آزادی سفر کا معقول بندوبست کر سکتی ہیں اور اس امر کا اندازہ لگا سکتی ہیں کہ انہیں جس راہ پر گامزن ہونا ہے اس کی کیا دشواریاں ہیں اور ان دشواریوں کو دُور کرنے کے لیے انہیں کس نوعیت کے انتظامات کرنے کی ضرورت ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پاکستانی قوم اگر دنیا میں عزت و آبرو کی زندگی بسر کرنا چاہتی ہے اور اپنی صلاحیتوں کو تعمیر و ترقی کی راہ پر لگانے کا عزم رکھتی ہے تو اسے سب سے پہلے یہ طے کرنا چاہیے کہ اس کی زندگی کا مقصد کیا ہے۔ پھر اس مقصد کی روشنی میں پوری صورتِ حال کا جائزہ لے کر اسے یہ دیکھنا چاہیے کہ اُسے اس وقت کون سے مسائل درپیش ہیں اور اہمیت کے اعتبار سے ان کی کس طرح درجہ بندی کی جا سکتی ہے اور اس کے بعد انہیں حل کرنے کے لیے کن عملی اقدامات کی ضرورت ہے۔ مگر اسے اس قوم کی بدبختی کے سوا اور کس چیز پر محمول کیا جا سکتا ہے کہ اہلِ پاکستان قیامِ ملک کے کچھ عرصہ بعد ہی اس سیدھی اور معقول روش کو اختیار کرنے سے گریز کرنے لگے اور اپنی صلاحیتوں کو بے مقصد جدوجہد میں کھپانے لگے۔ نتیجہ ہمارے سامنے ہے۔

یہ قوم آج سے بائیس سال پیشتر پوری دنیا کے سامنے یہ دعویٰ لے کر اٹھی تھی کہ اس کا ایک الگ وطن کے لیے مطالبہ کچھ جوعِ ارضی کی وجہ سے نہیں بلکہ اس وجہ سے ہے کہ اس کے پاس ایک ایسا انقلاب انگیز نظامِ حیات ہے جو پوری نوعِ انسانی کو حقیقی سکون اور اطمینان عطا کر سکتا ہے۔ اس نظام کے عملی مضمرات ذہن نشین کرانے اور واقعات کی دنیا میں اس کی خوبیاں اُجاگر کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ کوئی ایک ایسا خطۂ ارضی موجود ہو جس میں اس نظام کو بروئے کار لا کر انسانوں کو اس کی عملی صورت دکھائی جا سکے۔ اس مطالبے میں اتنی معقولیت اور اس میں اتنی دلکشی تھی کہ یہ مطالبہ پوری مسلم قوم کے دل کی دھڑکن بن گیا اور ہندوستان کے سارے مسلمانوں نے دنیوی مفادات کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے اس کی ہمنوائی کی اور انگریز اور ہندو کی مزاحمت کے علی الرغم پاکستان کی شکل میں کرۂ ارضی پر ایک نیا ملک نمودار ہوا۔ لیکن جب یہ سب کچھ ہو چکا تو کچھ لوگ اُٹھے اور انہوں نے اس نصب العین ہی کے معاملہ میں اس قوم کے ذہن کو پراگندہ کرنا شروع کر دیا۔ یہ لوگ ہر راستے سے آئے۔ حکومت اور اقتدار کے راستے سے بھی آئے، سیاسی قیادت کے راستے سے بھی، صحافت اور ادب اور ذرائع نشر و اشاعت کے راستے سے بھی آئے، درس گاہوں کے راستے سے بھی آئے اور کسان مزدور تحریکوں اور صوبہ پرستی اور نسلی و لسانی تفرقوں کے راستے سے بھی آئے۔ ان لوگوں نے ۲۰ سال اس کوشش میں صرف کر دیے کہ یہ قوم اس اصل مقصد ہی کو بھول جائے جس کے لیے پاکستان وجود میں آیا تھا، بلکہ یہ کسی مقصد پر بھی متفق و متحد نہ ہو سکے۔ یہ وہ ظلمِ عظیم تھا جس نے پاکستان کے وجود ہی کو سرے سے بے معنی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بنا کر رکھ دیا۔

کہنے کو تو پاکستان محض زمین کا ایک ٹکڑا ہے مگر یہ ملک جس مقدس عزم اور بلند مقصد کے ساتھ حاصل کیا گیا، جس حیات آفریں پیغام کی صورت میں اس کی اہمیت مسلمانوں کے ذہن نشین کرائی گئی، اور جس روحانی اور اخلاقی نظامِ حیات کی برتری ثابت کرنے کے لیے مُسلم قوم کو اس کے مطالبے پر اُبھارا گیا، وہ وطنیت اور قومیت کے سارے فلسفوں سے مختلف ہے۔ الگ وطن کا تقاضا عام طور پر کسی خاص قوم کی سیاسی برتری اور تفوق قائم کرنے، اس کے لیے قدرتی وسائل سے حسب منشا فائدہ اٹھانے اور قوم کے افراد کے لیے اُونچے عہدوں پر قبضہ جمانے کے لیے کیا جاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں وطن کے قیام کے پیچھے بجز مادی اور قومی اغراض کے کوئی دوسری غرض پوشیدہ نہیں ہوتی۔ مگر تحریکِ پاکستان جب اٹھائی گئی اس وقت مسلم قوم کے سامنے ان چیزوں میں سے کوئی چیز بھی نہ تھی۔ اس تحریک کا محرک ایک ہی جذبہ تھا اور وہ یہ کہ انسان کو انسان کی غلامی سے نجات دلائی جائے اور اُسے اس غرض کے لیے آزاد کرایا جائے کہ وہ اپنے رب کے دیئے ہوئے نظامِ حیات کی پیروی کرسکے۔ قوم پرستی، وطن پرستی، مادیت پرستی اور استعماریت کے اس دَور میں پاکستان کا مطالبہ اس بنا پر عجیب و غریب تھا کہ دنیا میں ایک قوم ایسی بھی ہے جو سیاسی اور معاشی مصالح کے تحت نہیں بلکہ اخلاقی، روحانی اور دینی تقاضوں کے تحت ایک الگ خطۂ زمین کے حصول کی آرزومند ہے اور اِس بات کا بانگِ دہل اعلان کر رہی ہے کہ اگر اس کی یہ آرزو پُوری ہو گئی تو وہ اس میں مُسلم قوم کی خدائی قائم کرنے کے بجائے مالک الملک کی کبریائی قائم کرے گی اور ان سارے فرائض کو خوشدلی کے ساتھ سرانجام دے گی جو بندگیٔ رب کے سلسلے میں اس پر عائد ہوتے ہیں۔ اس ضمن میں وہ سب سے پہلے ان سارے بُتوں کو پاش پاش کرے گی جن کی غیر اسلامی عصبیتوں نے صورت گری کی ہے۔ رنگ، نسل اور زبان کے تعصبات کو وہ خود اپنے پاؤں سے پامال کرے گی، جاہلیت کی رسموں کے بندھن خود اپنے ہاتھ سے توڑے گی اور اپنے عمل کے ذریعے دنیا میں یہ حقیقت ثابت کرے گی کہ انسان اور انسان کے مابین تعلق کی بنیاد مادّی نہیں بلکہ سراسر رُوحانی اور اخلاقی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ اسی دعوے کی صداقت کا بیّن ثبوت تھا کہ پاکستان کے قیام کے لیے سب سے بڑھ کر ان مسلمانوں نے بے مثال قربانیاں دیں جو یہ توقع کر ہی نہ سکتے تھے کہ ان کا علاقہ بھی پاکستان میں شامل ہوگا، اور جن کے لیے اس امید کی کوئی گنجائش نہ تھی کہ پاکستان کے قیام سے انہیں کوئی مادی منفعت حاصل ہوگی، بلکہ وہ جانتے تھے کہ اس جد و جہد کا بہت برا خمیازہ انہیں بھگتنا پڑے گا۔

پھر ملک کا جو نقشہ سامنے آیا وہ خود پاکستانی قومیت کی اس روحانی اور اخلاقی اساس کی شہادت فراہم کر رہا ہے۔ ملک کے دونوں بازوؤں کے درمیان ایک ہزار میل سے زیادہ کا فاصلہ حائل ہے۔ اس لیے جغرافیائی یک جہتی کی بنیاد پر ایک قوم اور ایک ملک بننے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس علاقائی بُعد کے علاوہ دونوں صوبوں کے باشندوں کے درمیان رنگ، نسل، زبان اور طرزِ معاشرت کے اعتبار سے بھی کافی اختلافات پائے جاتے ہیں۔ جہاں تک مغربی پاکستان کا تعلق ہے اس میں بھی زبان اور طرزِ معاشرت کی وحدت کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا۔ مگر ان سارے اختلافات کے باوجود اسلام کی مقناطیسی قوت نے اس ملک کے سارے اجزاء کو ایک دوسرے سے پیوست کر دیا۔ بنگالی، پنجابی، سندھی، پٹھان اور بلوچی مختلف علاقوں اور نسلوں سے تعلق رکھنے اور اور مختلف زبانیں بولنے کے باوجود اپنے آپ کو اسلام کی وسیع تر برادری کا رکن سمجھنے لگے اور اسی بنیاد پر ایک دوسرے سے متحد ہو گئے۔ اسی اتفاق و اتحاد نے تحریکِ پاکستان کو غیر معمولی قوت عطا کی اور آخر کار یہ ایک مستقل خود مختار ملک بنا۔ ورنہ ظاہر بات ہے کہ مادی منافع کے نام پر، یا اشتراکیت کے نام پر، یا پٹھانیت، بنگالیت، پنجابیت، سندھیت اور بلوچیت کے نام پر کوئی تحریک اٹھانے سے یہ معجزہ ہرگز رونما نہ ہو سکتا تھا۔

نصیحت خواہ دیوار پر لکھی ہوئی ہو اسے قبول کر لینا چاہیے اور صحیح بات اگر دشمن بھی کہے تو اس پر ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہیے۔ ہمارے ملک کے سیاسی حالات پر غیر ملکی اخبارات اور جرائد نے جو تبصرے کیے ہیں ان میں تعصب اور تنگ نظری اور جذبۂ عداوت کے باوجود بہت سی کام کی باتیں بھی کہی گئی ہیں۔ اگرچہ بعض باتیں بڑی تلخ ہیں مگر چند پہلوؤں سے ہمارے لیے بڑی مفید اور کارآمد بھی ہیں۔ ان سب باتوں میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک نمایاں بات یہ ہے کہ پاکستانی قوم کے دل میں اُس اصل نصب العین کے ساتھ لگاؤ باقی نہیں رہا ہے جس کی خاطر اس نے یہ ملک حاصل کیا تھا۔ ان مغربی اخبار نویسوں کی نظر میں پاکستان کی موجودہ تشویشناک سیاسی صورتِ حال کی وجہ یہ ہے کہ جس نسل یا جن افراد نے اسلام کے عظیم مقصد کی خاطر چھوٹے چھوٹے مقاصد کو نظر انداز کر کے پاکستان کی جنگ لڑی تھی وہ نسل اور وہ افراد آہستہ آہستہ ناپید ہو رہے ہیں۔ کچھ لوگ تو اللہ کو پیارے ہو گئے، بعض مال و دولت کی محبت میں سرشار ہو کر اصل نصب العین بھلا بیٹھے، بعض عمر کے تقاضے یا دوسری مصلحتوں کے پیشِ نظر گوشہ نشین ہو گئے اور بعض نے عملی زندگی کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے بجائے خاموش تماشائی بن کر رہنا پسند کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ملک کی سیاسی فضا پر ایسی قوتیں نمودار ہوتی ہیں جو پاکستان کے حقیقی مقصد اور نصب العین سے پوری طرح آشنا نہیں یا اگر آشنا ہیں تو اس کے لیے ایثار اور قربانی کرنے کے لیے تیار نہیں۔ حتیٰ کہ بعض بیرونی مبصرین تو یہ بات کھلم کھلا کہنے لگے ہیں کہ پاکستان کے مختلف حصوں کے درمیان اب اسلام بنائے وحدت نہیں رہا ہے۔ ان کی یہ باتیں ہماری آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہیں۔ ہمیں سوچنا چاہیے کہ اسلام کے سوا ہمارے پاس اور کیا ہے جس کے ذریعہ سے ہم اُس ملک کو ٹکڑے ٹکڑے ہونے سے بچا سکتے ہیں جو اتنی قربانیوں کے بعد حاصل کیا گیا تھا؟ کیا ہم مسلمان کے بجائے پٹھان، پنجابی، بنگالی، سندھی اور بلوچی ہو کر ایک رہ سکتے ہیں؟ کیا وہ اشتراکیت ہمیں ایک رکھ سکتی ہے جو اپنے کام کی ابتدا ہی علاقائی، لسانی اور طبقاتی تفریقیں ابھارنے سے کرتی ہے؟ کیا ہم دنیا کو یہ تماشا دکھانا چاہتے ہیں کہ اسلام کے نام پر متحد ہو کر جو ملک ہم نے بنایا تھا اسے ہم ۲۰ سال بھی خیریت سے نہ چلا سکے؟

جس طرح اس کرۂ ارض پر خلا ایک اَن ہونی بات ہے بالکل اسی طرح کسی ملک کی وحدت نصب العین کے خلا سے باقی نہیں رہ سکتی۔ یہ خلا جب بھی رونما ہونے لگے گا، اس وحدت میں شگاف پڑنے شروع ہو جائیں گے جنہیں پُر کرنے کے لیے کچھ دوسرے نصب العین آگے بڑھیں گے اور ہر ایک اپنا اپنا حصہ لے کر الگ ہو جائیگا۔ دنیا کے ہر فرد یا گروہ کو اپنے آپ کو سرگرم عمل رکھنے کے لیے کسی نصب العین سے گہری محبت اور وابستگی کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ اس کی حرارت سے اس کے اندر عمل کی قوت اور ایثار کا جذبہ پیدا ہو۔ جب عظیم مقاصد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نظروں سے اوجھل ہو جائیں تو پھر پست اور گھٹیا قسم کے مقاصد لوگوں کے دل میں گھر کر لیتے ہیں اور انسان ان کے حصول کی خاطر تگ و دو شروع کر دیتا ہے۔

بد قسمتی سے پاکستانی قوم اس وقت اس المیہ کی شکار ہے۔ جب تک اس قوم کے سربراہوں کو اسلام جیسے بلند و بالا مقصد سے تعلق خاطر رہا اس وقت تک رنگ، نسل، زبان اور مکان کے اختلاف کے باوجود یہ امت کثرت میں وحدت کا منظر پیش کرتی رہی اور یوں محسوس ہوا کہ پاکستان ایک وسیع گلستان ہے جس میں گلہائے رنگ رنگ نے حسن اور دلکشی پیدا کی ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ پاک و ہند کے مسلمانوں کی یہ وحدت جہاں دنیا کی دوسری قوموں کے لیے ایک عجیب و غریب بات تھی وہاں اسلام کی برتری اور صداقت کا ایک بیّن ثبوت بھی فراہم کر رہی تھی۔ مغربی قوم پرستی اور وطن پرستی کی خوگر قومیں اسے ایک عجیب بات سمجھتی تھیں کہ اس دور میں مادی بنیادوں کو نظر انداز کر کے محض ایک روحانی عقیدے کو قومیت کی اساس بنایا جائے اور مختلف نسلوں سے تعلق رکھنے والے اور مختلف بولیاں بولنے والے لوگوں کو مشترک مفادات پر جمع کرنے کے بجائے عقائد کی بنیاد پر مجتمع کیا جائے۔ مگر مسلمانوں نے اپنے عمل سے اس حقیقت کو درست ثابت کر دیا اور دنیا پر یہ بات واضح کر دی کہ انسان کا حقیقی جوہر چونکہ مادی نہیں بلکہ روحانی ہے، اس لیے انسانوں کے مابین عقائد کی بنیاد پر اخوت کے رشتے استوار ہو سکتے ہیں اور ہونے چاہییں۔

پاکستانی قوم کے اندر جب تک یہ احساسات زندہ رہے اس وقت تک ان کا شیرازہ بھی بندھا رہا، دوسری قوموں نے بھی انہیں ایک نئی انقلاب انگیز اخلاقی قوت سمجھتے ہوئے قدر کی نگاہ سے دیکھا اور داخلی طور پر علاقائی عصبیتوں کو بھی سر اٹھانے کا موقع نہ ملا۔ مگر پاکستان کے قیام کے بعد کچھ مدت نہ گزری تھی کہ پاکستانی قومیت کی اس اساس کی طرف سے اغماض برتا جانے لگا اور یہ اساس دن بدن کمزور ہوتی چلی گئی اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ علاقائی عصبیتوں نے سر اٹھایا اور مختلف طبقوں نے گروہی مفادات کے علمبردار بن کر جدوجہد شروع کر دی۔

اس صورتِ حال پر مسلمان قوم کے دشمنوں اور دوستوں اور خود بعض دردمند مسلمانوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ بڑا عبرتناک ہے۔ دشمنوں نے تو یہ کہا ہے کہ پاکستان کے اس موجودہ بحران نے اس بات کو ثابت کر دیا کہ محض

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عقیدہ انسانوں کی شیرازہ بندی نہیں کر سکتا، وہ تو ایک وقتی جوش تھا جس نے مسلمانوں کو ایک مختصر سے عرصے کے لیے مجتمع کر دیا تھا، اب جذبات کا وہ ہیجان ختم ہوتے ہی انہیں اس امر کا احساس ہونے لگا ہے کہ مادی مفادات کی محبت ہی سے انسانوں کی شیرازہ بندی کی جا سکتی ہے۔ اس استدلال کے ساتھ وہ مسلمانوں کو مشورہ دے رہے ہیں کہ اب انہیں اس خام خیال کو ترک کر دینا چاہیے کہ عقیدہ کبھی ان کی قومیت کی بنیاد بن سکتا ہے اور اس کی تشکیل کے لیے انہیں کچھ مادی عناصر کا سہارا تلاش کرنا چاہیے جن میں سب سے اہم عنصر معاشی مفاد ہے۔ اس سے بھی آگے بڑھ کر مغربی اخبارات و رسائل آج کل بڑی بے تابی کے ساتھ اس امید کا اظہار کر رہے ہیں کہ پاکستان عنقریب پارہ پارہ ہو جائے گا، لاقدر اللہ۔

بعض غیر ملکی مسلمان اہلِ قلم نے بھی اس موضوع پر اظہارِ خیال کیا ہے لو ان کی تصریحات میں بڑا کرب و اضطراب ہے۔ ان کی تحریریں پڑھنے سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس حادثے سے انہوں نے شدید اثر قبول کیا ہے، بلکہ بعض نے تو سخت رنجیدہ ہو کر یہ کہا ہے کہ انہیں تحریکِ پاکستان کو سمجھنے میں دھوکہ ہوا اور پاکستان کے مسلمانوں نے عملاً اس دعوے کو غلط ثابت کر دیا ہے جو پاکستان کے مطالبے کے وقت اسلام کے بارے میں کیا گیا تھا۔

اس عظیم قومی سانحے کے بعد ہم سب کا فرض ہے کہ ہم ان اسباب پر ٹھنڈے دل سے غور کریں جو موجودہ اندوہناک صورتِ حال پر منتج ہوئے ہیں۔ اس مسئلہ پر آپ جس قدر بھی سوچیں گے، اسی نتیجے پر پہنچیں گے کہ اسلام، اس کے عقائد اور اس کی اقدار آج بھی اسلامی قومیت کی تشکیل میں ایک مضبوط بنیاد کا کام دے سکتی ہیں بشرطیکہ انہیں خلوص نیت کے ساتھ اپنانے کی کوشش کی جائے۔

حمل و نقل کے موجودہ ذرائع نے دنیا کے مختلف گوشوں کو ایک دوسرے سے بالکل قریب کر دیا ہے اور جغرافیائی حد بندیاں بڑی تیزی سے ٹوٹ رہی ہیں۔ ان حالات میں علاقائی بنیادوں پر قومیت کی تشکیل ایک خواب پریشاں سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔

پاکستان کے معاملے میں تو یہ بات اور بھی مشکل ہے کیونکہ یہ ملک جغرافیائی لحاظ سے وحدت نہیں ہے۔ باقی رہا معاشی مفادات کے اشتراک سے باشندگانِ ملک کے درمیان اتفاق تو یہ بالکل زعم باطل ہے۔ معاشی مفادات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انسانوں کے مابین اخوت کے رشتے قائم نہیں کرتے بلکہ خود غرضی کو جنم دے کر انسانی برادری کے اندر انتشار پیدا کرتے ہیں۔ ملک کے موجودہ سیاسی حالات اس حقیقت کی زبردست شہادت فراہم کر رہے ہیں۔ جس دن سے معاشی مفادات کے بارے میں عوام کے ذہنوں میں یہ تاثر پیدا کرنے کی کوششیں شروع ہوئی ہیں کہ انہیں پاکستانی قومیت کی اساس بنانا چاہیے اسی روز سے ملک کے اندر زبردست خلفشار پیدا ہو رہا ہے۔ چنانچہ یہاں کے بعض طبقات اور گروہوں نے ملکی مسائل پر قومی نقطۂ نظر سے غور کرنے کے بجائے گروہی اور علاقائی مفادات کے نقطہ سے غور کرنا شروع کر دیا ہے۔ ان تلخ نتائج کے سامنے آجانے کے بعد بھی جو فرد یا گروہ معاش کو قومیت کی بنیاد بنانا چاہتا ہے اس کے فاتر العقل ہونے میں کیا شبہ کیا جا سکتا ہے

پاکستان کے علاوہ دوسرے مسلم ممالک کا حشر بھی ہمارے سامنے ہے جہاں خاکِ وطن اور زبان سے قومیت کا خمیر اٹھانے کی کوششیں کی گئیں۔ اس قسم کی مذموم کوششوں نے امتِ وسط کو انسانیت کے لیے سامانِ عبرت بنا دیا ہے۔ بھائی بھائی کے خلاف نفرت و حقارت کا شدید اظہار کر رہا ہے اور ایک دوسرے کا مددگار اور غمگسار بننے کے بجائے اسے مٹانے اور برباد کرنے پر تلا ہوا ہے۔ قومیت کے ان ملحدانہ نظریات نے پچاس کروڑ انسانوں پر مشتمل امت کے اتحاد کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا ہے اور نوبت یہاں تک پہنچی ہے کہ آج دنیا میں اُس کا کوئی وزن باقی نہیں رہا۔ انسانوں کی مختلف جمعیتوں کا تو ذکر ہی کیا، بھیڑوں کے گلوں کی بھی دنیا میں اہمیت ہے مگر انسانوں کی اس زبردست بھیڑ کی قطعاً کوئی وقعت نہیں جو مسلمان کے نام سے دنیا میں پھیلی ہوئی ہے۔ جو قوم چاہتی ہے انہیں آسانی سے اپنے استعماری عزائم کی تکمیل کا ذریعہ بنا لیتی ہے۔ دنیا میں کوئی ایک بھی خطہ ایسا نہیں جہاں یہ امت عزت و احترام کی زندگی بسر کر رہی ہو اور دنیا کی غیر مسلم قومیں اسے درخورِ اعتنا سمجھتی ہوں۔ مٹھی بھر اسرائیلیوں نے کروڑوں انسانوں پر عرصۂ حیات تنگ کر رکھا ہے۔ یہ دردانگیز صورتِ حال آخر خود بخود تو پیدا نہیں ہو گئی۔ بلکہ اس کے کچھ اسباب ہیں اور ان میں سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ امتِ مسلمہ نے قوت و طاقت کے اُس اتھاہ خزانے کو ٹھکرا دیا ہے جو خالقِ کائنات نے اسے عطا فرمایا ہے۔ اس نے اس لازوال نعمت کی قدر نہیں پہچانی اور گھٹیا مقاصد کی محبت میں گرفتار ہو کر گھٹیا کاموں میں اپنی قوتیں ضائع کرنے لگی۔ آخر کار اُس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

غیور ذات نے اسے اس کی حماقت پر یہ سزا دی کہ اسے دنیا میں ذلیل و خوار بنا کر رکھ دیا۔

مسلم قوم کو یہ بات ہمیشہ ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ قومی اساس کوئی ایسی چیز نہیں ہے جسے جلدی جلدی تبدیل کیا جا سکے۔ یہ اساس کسی قوم کو بڑی مشکل سے فراہم ہوتی ہے، طویل مدت تک اس کے مطابق انسانوں کی شیرازہ بندی کی جاتی ہے اور اس کا مزاج اس قوم کے رگ و پے میں سرایت کیے ہوئے ہوتا ہے۔ اگر مسلم قوم کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس قوم کی تعمیر جس اساس پر کی گئی تھی اس کو چھوڑ کر کسی دوسری اساس پر اس کی قومیت کا محل تعمیر کرنا بالکل ناممکنات میں سے ہے۔ وہ اگر ایک قوم بن سکتی ہے تو انہی بنیادوں پر بن سکتی ہے۔ اُن سے ہٹ کر کوئی دوسری بنیاد فراہم کرنے کی کوشش کی جائے تو یہ اس پر مجتمع ہو کر اپنی قومیت کو تعمیر نہیں کر سکتی، البتہ پارہ پارہ ہو کر اپنی ہستی ضرور مٹا سکتی ہے۔

انسان کے اندر فطری طور پر یہ احساس ہمیشہ ایک لَو کی طرح فروزاں رہتا ہے کہ وہ انسانیت کی وسیع تر برادری کا ایک رکن ہے اور اس کے اور دوسرے انسانوں کے درمیان رنگ و نسل کے اختلافات کے باوجود ایک رشتہ اخوت موجود ہے۔ اسلام نے انسانی روح کی اس فطری پیاس کے لیے تسکین کا سامان فراہم کیا اور عقیدے اور اخلاق کی بنیاد پر انسانوں کی شیرازہ بندی کی۔ اُس نے حبشہ کے رہنے والے بلالؓ، روم سے تعلق رکھنے والے صہیبؓ اور ایران میں جنم لینے والے سلمانؓ کو رنگ، نسل اور مکان کے اختلاف کے باوجود ایک رشتہ اخوت میں منسلک کر دیا مگر مکہ کے سرکش اور باغی سردار کہ جن کا حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے نسلی اور وطنی تعلق تھا اسلامی برادری میں بیٹھنے سے انکار کر دیا۔

پھر مدینہ میں ہجرت کے بعد نسل کی بنیاد پر نہیں بلکہ عقیدے کی بنیاد پر دنیا کی ایک نرالی اخوت قائم ہوئی۔ حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلم قومیت کے لیے جو مقدس اساس فراہم کی تھی اس پر پورے تیرہ سو سال تک اسلامی قومیت کا محل تعمیر ہوتا رہا۔ اس طویل مدت میں لاتعداد نسلوں اور قوموں کے افراد کروڑوں نہیں بلکہ اربوں کی تعداد میں حلقہ بگوش اسلام ہو کر اس قومیت میں شامل ہوتے چلے گئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور انہوں نے رنگ، نسل اور وطن کے بتوں کو پاش پاش کر کے عملاً یہ ثابت کر دیا کہ وہ سب اپنے خالق اور مالک کے بندے اور اس کے آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین ہیں اور یہ عقیدہ ہی وہ اصل چیز ہے جو انہیں دوسری قوموں اور گروہوں سے الگ کر کے ایک عالمگیر امت بناتا ہے۔

قومیت کی یہ اساس جس کے پیچھے تیرہ سو سال کی درخشاں تاریخ ہو جس کے مطابق ہزار ہا نسلیں اور قومیں اسلام کی وسیع تر برادری میں مدغم ہوتی ہوں، جس نے مسلم قوم کو نہ صرف وحدتِ فکر اور وحدتِ عمل دی ہو بلکہ اسے بے مثال قوت و طاقت بھی فراہم کی ہو، اور پھر جس کی جڑیں مسلم قوم کے جذبہ و احساس اور اس کی روایات میں پوری طرح پیوست ہوں، اس کے متعلق یہ خیال کرنا کہ چند شوریدہ سر افراد کے شور و غوغا سے اس اساس کو بدلا جا سکتا ہے اور اس کی جگہ کوئی دوسری اساس لا کر مسلمانوں کے اندر کوئی دوسری قومیت پیدا کی جا سکتی ہے، پرلے درجے کی حماقت اور کم فہمی ہے۔

پاکستان اور دوسرے تمام مسلمان ممالک کا اس وقت سب سے اہم مسئلہ یہی ہے کہ اسلامی قومیت کی اس اساس کو کس طرح سے قوت بہم پہنچائی جائے۔ کیونکہ یہ اساس جتنی زیادہ مضبوط اور طاقتور ہوگی اسی نسبت سے غیر اسلامی عصبیتیں کمزور اور مضمحل ہونگی اور امتِ مسلمہ میں اتفاق اور اتحاد کے علاوہ فکر و عمل کی غیر معمولی قوت بھی پیدا ہوگی۔

اس وقت اِن ممالک میں جو صورتِ حال موجود ہے اس سے کسی روشن مستقبل کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ مسلمانوں کے اربابِ اختیار اور ان کے سربراہ زبان سے تو وقتاً فوقتاً اسلام کے ساتھ گہری عقیدت کا اظہار کرتے ہیں مگر ان کا طرزِ عمل ان کے اس دعوے کی کھلے طور پر تردید کرتا ہے۔ ان کی اس روش کو دیکھ کر کبھی کبھی یوں احساس ہونے لگتا ہے کہ شاید اللہ کا دین ان لوگوں کے نزدیک محض ایک مشغلہ ہے یا سادہ لوح عوام کے جذبات سے کھیلنے کے لیے ایک کھوکھلا نعرہ ہے۔

ہمارے اپنے ملک میں پچھلے دنوں انتشار کے جو روح فرسا مناظر دیکھنے میں آئے وہ اسلام کے بارے میں حکمرانوں کی اسی متضاد پالیسی کے ناگزیر نتائج تھے۔ سابق صدر مملکت اور ان کے رفقاء کار کم و بیش بتقریب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں اسلام کی عظمت کا ذکر فرماتے رہے اور یہ کہتے رہے کہ اسلام ہی انسانیت کے دکھوں کا علاج ہے مگر پاکستان کے دکھوں کے مداوا کے لیے انہیں کبھی اللہ کے اس دین کی طرف رجوع کرنے کی توفیق نصیب نہ ہوئی بلکہ تمام ملکی مسائل کو حل کرنے کے لیے مغرب کے مادہ پرستانہ اور غیر اسلامی افکار پر اعتماد کرنے کی کوشش کی گئی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام کی یہ اساس عقیدت و محبت کا دم بھرنے کے باوجود کمزور ہوتی گئی اور اس کی جگہ ملحدانہ نظریات نے اس خطۂ پاک میں پرورش پانا شروع کیا۔

کسی قوم کی نظریاتی اساس اس کی قوت کا سرچشمہ ہوتی ہے مگر یہ اسی صورت میں اسے توانائی فراہم کرتی ہے جب اس سرچشمے سے قومی زندگی کے سارے گوشوں کو اچھی طرح سیراب کیا جاتے۔ ہمارے ہاں اس سرچشمۂ ہدایت کی تعریف و توصیف میں بیان تو دیئے جاتے رہے مگر کسی شعبے میں بھی اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش نہیں کی گئی۔ اسی وجہ سے ہماری قوم اس نظریاتی اساس سے دن بدن دور ہوتی چلی جا رہی ہے۔

اگر ہم قوم کو فی الحقیقت دنیوی اعتبار سے سربلند اور آخرت میں فائز المرام دیکھنا چاہتے ہیں تو اس کے لیے ہمیں سب سے پہلے اس بات کی کوشش کرنی چاہیے کہ اس ملک کے باشندوں کے دلوں میں ملت کی اس نظریاتی اساس کے بارے میں گہرا اعتماد پیدا ہو اور انہیں اس امر کا یقین ہو کہ دوسروں سے مانگے تانگے کے لائے ہوئے نصب العین اور نظامہائے حیات اسے کبھی بھی فلاح و کامرانی سے ہمکنار نہیں کر سکتے۔ اس ضمن میں اس بات کی بھی اشد ضرورت ہے کہ مسلمانوں کو اسلام سے جو جذباتی تعلق ہے اسے مزید مستحکم کیا جائے اور اس کے ساتھ ساتھ اس تعلق کے لیے عقلی بنیادیں بھی فراہم کی جائیں کیونکہ جذبات کو اگر مسلسل غذا نہ ملے تو وہ جلد ہی ٹھنڈے ہو کر انسانوں کے اندر یاس و قنوطیت پیدا کر دیتے ہیں۔

یوں تو پاکستان کے ہر فرد کے لیے اس کا اہتمام ضروری ہے لیکن نوجوان نسلوں کے لیے تو اس کی انتہائی ضرورت ہے۔ ہمارے نوجوان ایک ایسے نظامِ تعلیم سے فکری غذا حاصل کر رہے ہیں اور ایک ایسے ماحول میں پرورش پا رہے ہیں جو اس ملک کی نظریاتی اساس اور اس امت کے اجتماعی مزاج سے کسی طرح بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مطابقت نہیں رکھتا۔ اس پر مزید یہ کہ ہمارے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں، حتیٰ کہ ہمارے ہائی اسکولوں تک میں ایک کثیر تعداد ایسے اُستادوں کی موجود ہے جو نوجوان نسل کو عقیدے اور اخلاق، دونوں کے اعتبار سے غیر مسلم بنانے کی مسلسل کوشش کر رہی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہماری نوخیز نسلوں کے قلب و دماغ میں غیر اسلامی افکار و تصورات نے راہ پائی ہے، اور ان میں سے ایک اچھی خاصی تعداد نے دانستہ یا نادانستہ طور پر باطل نظریات کا پرچار شروع کر دیا ہے۔ خدا نہ کرے کہ یہ اندوہناک صورتِ حال قائم رہے۔ لیکن بدقسمتی سے اگر اس کی اصلاح کی کوئی مؤثر صورت پیدا نہ ہوئی تو نہ صرف یہ ملک نظریاتی کشمکش کا شکار ہو کر کمزور ہوگا بلکہ باپ بیٹے اور بھائی بھائی کے درمیان شفقت و احترام کے احساسات اور محبت و مودت کے رشتے قائم ہونے کے بجائے نفرت و حقارت کے جذبات پیدا ہوں گے۔ ذرا غور فرمائیں کہ جب کسی معاشرے کی نئی نسل کے ذہن میں یہ خیال راسخ ہو جائے کہ اللہ کا نام لینے والا جاہل ہے، مذہب اور مذہبی اقدار کا احترام کرنے والا تاریک خیال، رجعت پسند اور ترقی کا دشمن ہے، اخلاقی ضابطوں کی پابندی کرنے والا احمق اور بیوقوف ہے اور دینی روایات کی تقدیس کو ماننے والا سامراج کا ایجنٹ ہے تو اس کے دل میں اپنے دین کی کیا عزت باقی رہ جائے گی، اس کی سیرت میں اخلاق کا کیا مقام باقی رہ جائے گا، اور اس کی نگاہ میں اپنے بزرگوں کی، اپنی ملت کے اکابر کی، اور نیکی و شرافت کے نمونوں کی کیا قدر باقی رہ جائے گی۔ کوئی فرد کسی دوسرے کا احترام اس بنا پر کرتا ہے کہ وہ جن قدروں کو عزت اور احترام کی نگاہ سے دیکھتا ہے انہیں بعض انسانوں میں منعکس پاتا ہے۔ اب اگر ہمارے نوجوانوں میں اسلام کے خلاف نفرت و حقارت کے جذبات موجزن ہو گئے جن کے آثار اب صاف دکھائی دے رہے ہیں تو کسی دینی احساس یا کسی نیکی اور شرافت کی کیا وقعت رہ جاتی ہے گی۔ یہ نوجوان تو ان روحانی اور اخلاقی اقدار کے علمبرداروں کی تکریم کے بجائے انہیں قومی مفادات کا سب سے بڑا دشمن سمجھ کر بے آبرو کرنے کی فکر کریں گے، اور چاہے وہ لوگ سامراج کے ایجنٹ ہوں یا نہ ہوں جنہیں یہ گالی دی جاتی ہے، مگر یہ لوگ خود ایک ایسے بدترین سامراج کے ایجنٹ بن کر رہ جائیں گے جو پاکستان کی جڑیں تک کھود پھینکنا چاہتا ہے۔

نوجوان نسل کا یہ طرزِ عمل صرف موجودہ دور کے نیک اور پاکباز لوگوں کے خلاف ہی نہ ہوگا بلکہ ماضی کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ تمام واجب الاحترام شخصیتیں بھی جنہیں امتِ مسلمہ صدیوں سے انسانیت کا بلند ترین نمونہ مانتی چلی آرہی ہے اور جن کے تقویٰ، پرہیزگاری اور تفقہ فی الدین کو اپنے لیے اسوۂ حسنہ سمجھتی رہی ہے، انہیں بھی رجعت پسندانہ اپنے اپنے دور کے سرمایہ داروں کا آلۂ کار کہہ کر رسوا کیا جائے گا اور جن مقدس ہستیوں کو مسلمان آج تک روشنی کے مینار سمجھتے رہے ہیں انہیں تاریکی اور ظلمت کے ساتھی ثابت کرنے کی کوششیں کی جائیں گی۔ یوں اس قوم کی نئی نسل کو ماضی سے بغاوت پر اُبھارا جائے گا اور اس کا رشتہ اس کی بہترین روایات سے کاٹ ڈالا جائے گا۔

ہمارے یہ تاثرات کوئی موہوم خدشات نہیں ہیں۔ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے تھوڑی سی بصیرت دی ہے وہ حالات کے تیور دیکھ کر ان کا بخوبی اندازہ کر سکتا ہے۔ نوجوان نسل کے اندر شدید ہیجان اور اضطراب پایا جاتا ہے اور یہ اضطراب کوئی تعمیری رُخ اختیار کرنے کے بجائے تخریب کی صورت میں نمودار ہو رہا ہے۔ خدا خوفی، ضبطِ نفس، آخرت کی جواب دہی کا احساس، اخلاقی حدُود کی پابندی، الغرض اللہ کے دین نے نیکی کی راہ پر چلانے کے لیے ہم کو جتنے بنیادی اوصاف بھی دیئے ہیں، آج ان سب کو معاذ اللہ ذہنی عوارض سے تعبیر کیا جا رہا ہے، ان کا مذاق اُڑایا جا رہا ہے اور جو لوگ ان کی تبلیغ کرتے ہیں انہیں ہر طرح کی پھبتیوں اور الزامات اور طنز و تضحیک سے رُسوا کیا جا رہا ہے۔ دین کے خلاف اسی باغیانہ پروگرام کا ایک حصّہ یہ بھی ہے کہ ماضی کی ان شخصیتوں کو اُبھارا جا رہا ہے جن کی روش عقیدے اور عمل کے اعتبار سے اُمّت کی عام روش سے مختلف رہی ہے، اور خاص طور پر ان کے اُن افکار کو تو بہت اُچھالنے کی کوشش کی جاتی ہے جن کی مدد سے جدید جاہلیت کے لیے تائید اور حمایت حاصل کی جا سکے۔ اُمّت نے جن مفکرین کو ہمیشہ گمراہ سمجھا ہے اور جن کے خیالات سے ہمیشہ براءت کا اظہار کیا ہے انہیں ہماری علمی اور فکری تحریک کے ہراول دستے کے طور پر پیش کیا جاتا ہے اور ان کے مقابلے میں ان ہستیوں پر شوخیانہ انداز میں تنقید کی جاتی ہے جو اُمّت کے ہر طبقے میں ہمیشہ بے حد احترام کی نظر سے دیکھی گئیں اور جن کی بصیرت، دینی فہم اور خدا ترسی پر قوم نے ہمیشہ بھروسا اور اعتماد کیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سطح بیں آنکھیں اس قسم کے فکری رجحانات کو محض ایک وقتی اضطراب سمجھ کر نظر انداز کر سکتی ہیں لیکن جو لوگ بغاوت کے پیچھے کام کرنے والے عناصر اور ان کے فکر و عمل کے محرکات کو جانتے ہیں انہیں اس بات کا بخوبی علم ہے کہ ان گمراہ کن نظریات کا پرچار کیوں اور کن ناپاک مقاصد کے تحت کیا جا رہا ہے۔ یہ لوگ اپنے باطل تصورات کو پھیلانے وقت کبھی کبھی ابن خلدون، امام غزالیؒ، محی الدین، ابن عربیؒ، شاہ ولی اللہؒ اور ڈاکٹر اقبال مرحوم کے خیالات کو موڑ توڑ کر اپنے موقف کی تائید میں پیش کرتے ہیں بلکہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ تک کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کر ڈالتے ہیں۔ لیکن ان کی اس مذموم کاوش کی غرض بجز اس کے اور کچھ نہیں ہوتی کہ ان بزرگوں کے سہارے اپنے باطل اوہام کو امت کے اندر رواج دینے کا موقع فراہم کریں۔ حالانکہ وہ خود بھی جانتے ہیں اور پوری امت بھی اس حقیقت سے واقف ہے کہ ان میں سے کوئی ایک بزرگ بھی ایسا نہیں ہوا ہے جسے ان مادہ پرستانہ فلسفوں اور نظریات سے دور کا بھی کوئی واسطہ ہو جن کی مدد کے لیے ان کے نام استعمال کیے جاتے ہیں۔ آخر ان میں سے کس کا نقطۂ نظر یہ رہا ہے کہ انسانی فکر و عمل کے محرکات روحانی نہیں بلکہ مادی ہیں؟ کون اس بات کا قائل رہا ہے کہ دنیا کا ہر اخلاقی اور دینی نظام وقت کے معاشی حالات کی پیداوار ہوتا ہے؟ کس کا عقیدہ یہ رہا ہے کہ ہمیں کسی ایسے نظام اخلاق اور نظریۂ حیات کی ضرورت نہیں جس کا مبدأ وحی والہام ہو یا جس کی پشت پر کسی آخرت کی جواب دہی کا اعتقاد کارفرما ہو؟ کس کے حاشیۂ خیال میں بھی کبھی یہ بات آئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہد مبارک میں جو کچھ بھی کیا اور فرمایا ہے وہ اسی خاص دور کے لیے تھا اور اب ہمارے دور میں ان تعلیمات کی قطعاً کوئی اہمیت باقی نہیں رہی ہے؟ پھر یہ فریب اور علمی بددیانتی نہیں تو اور کیا ہے کہ جو نظریات اور فلسفے منکرین و مخالفین اسلام سے اخذ کر کے لائے جاتے ہیں اور جن کی بنیاد سراسر مادہ پرستی اور انکار وحی و نبوت و آخرت پر ہے ان کے حق میں کبھی حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو لا کھڑا کیا جاتا ہے اور کبھی شاہ ولی اللہ کو اور کبھی علامہ اقبالؒ کو۔ اس کا مقصد آخر اس کے سوا کیا ہے کہ مسلمان عوام کو دھوکا دیا جائے اور انہیں کسی طرح یہ باور کرایا جائے کہ اس امت میں اول تو اہل علم اور اہل فکر کا ہمیشہ قحط رہا ہے اور لے دے کر جو چند ہستیاں نظر آتی ہیں وہ ان کے افکار کی مؤید اور حامی ہیں۔ اس کے بعد جب ان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چند نامور شخصیتوں کے ہاں بھی اس نوعیت کا کوئی منظم فلسفہ نہیں ملتا جس کے طلسم میں ہمارے نوجوان آجکل گرفتار ہو رہے ہیں تو اُن کی حیثیت بھی ان فریب خوردہ نوجوانوں کی نظر میں تیسرے یا چوتھے درجے کے اہلِ فکر کی رہ جاتی ہے اور ان کے دل و دماغ پر اصل اہمیت اُن فلاسفہ اور مصنفین کی ثبت ہو جاتی ہے جنہوں نے مذہب اور مذہبی اقدار سے علانیہ بغاوت کر کے مادہ پرستانہ فکر کو ایک باقاعدہ نظام کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔

اگر ہم فی الحقیقت موجودہ نسل کے اس طرزِ فکر اور طرزِ عمل کو تشویش کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور اس بات کے سچے دل سے آرزومند ہیں کہ ہمارے نوجوانوں کے دلوں میں اپنی تابناک روایات سے عقیدت و محبت پیدا ہو اور ان کا دینی اقدار پر پھر سے یقین بحال ہو تو اس کے لیے ضروری ہے کہ رائج الوقت نظامِ تعلیم میں بنیادی تبدیلیاں کی جائیں۔ اوّلین تبدیل جو ضروری ہے وہ یہ ہے کہ پورے نصاب کو از سرِ نو اس انداز سے مرتب کیا جائے کہ اسلامی تعلیمات کے بارے میں تشکک پیدا ہونے کے بجائے یقین پیدا ہو اور نوجوان جب سکولوں اور کالجوں سے فارغ ہو کر نکلیں تو وہ ایمان کی دولت سے محروم ہو کر نکلنے کے بجائے اس نعمت سے مالا مال ہو کر عملی زندگی میں قدم رکھیں۔ ادب ان کے اندر اخلاقی اقدار سے انحراف پیدا کرنے کے بجائے انہیں تہذیبِ نفس کی طرف مائل کرے۔ فلسفہ ان کے روحانی احساسات بیدار کرے۔ معیشت ان کے اندر اقتصادی مسائل اور کاروباری معاملات میں اخلاقی ذمہ داریوں کا شعور پیدا کرے۔ سیاست انہیں زندگی کے اجتماعی معاملات کو نیکی، خدا ترسی اور احساسِ ذمہ داری کے ساتھ حل کرنے کی تعلیم دے اور سائنس انہیں خالقِ کائنات کا باغی نہ بنائے بلکہ انہیں مومنِ صادق بنا کر ان کے قلب و دماغ پر قادرِ مطلق کی عظمت کا نقش ثبت کرے۔

دوسری اہم تبدیلی یہ درکار ہے کہ ہماری درس گاہوں کو نیچے سے اوپر تک ایسے اُستادوں کے وجود سے پاک کر دیا جائے جو ہماری نوجوان نسل کو اسلام سے منحرف کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اگر روس اور چین کی درس گاہوں میں کسی ایسے استاد کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے جو مارکس اور لینن کے نظریات سے بغاوت کی تعلیم دیتا ہے تو پاکستان کی درس گاہوں میں ایسے اُستادوں کے لیے کوئی جگہ کیوں ہو جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم

© rasailojaraid.com